# رسول کریم ﷺ کل عالم کیلئے شفیع اور حقیقی وسیلہ ہیں۔

# داعی الی اللہ کو خدا کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ / جولائی ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ: ۳۶)

پھر فرمایا:۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف جانے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ اس کی راہ میں جہاد کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تم نجات پاؤ۔

وسیلہ کا ایک عام معنی ''ذریعہ'' ہے یعنی ایسا راستہ جس سے انسان کسی جگہ تک پہنچتا ہے کوئی ایسا طریق جس سے انسان کسی چیز کو اختیار کرتا ہے، کوئی آلہ کار جس سے مقصود حاصل ہو اور ان معنوں میں ہر وہ عمل جو خدا کی طرف لے کے جاتا ہو وہ وسیلہ ہے۔ ہر وہ دوست جس کا تعلق خدا کی طرف لے کر جائے وہ بھی وسیلہ ہے لیکن سب سے بڑھ کر خاص معنوں میں حضرت اقدس محمد ﷺ ہی وہ وسیلہ ہیں جن کا بطور خاص یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ ہمیں حضرت اقدس محمد ﷺ نے جو دعا سکھائی کہ اذان کے بعد یہ دعا کیا کرو اس دعا میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ **ات محمدن الوسیلة والفضیلة**

**والدرجة الرفيعة وابعثه مقاما محمودا ن الذى وعدته** (بخاری کتاب الاذھان حدیث نمبر:۵۷۹)
اے اللہ! محمدؐ کو وسیلہ بنادے یا وسیلہ عطا فرما۔ میں نے ’’وسیلہ بنادے‘‘ کا ترجمہ ان معنوں میں کیا ہے کہ وہ مقام عطا فرما جو وسیلہ کا مقام ہے۔ یہ اس کے معنی ہیں کیونکہ باقی سب مضمون اعلیٰ مراتب کے عطا کرنے کی دعا ہے۔ پس ان معنوں میں خدا سے تعلق کا سب سے زیادہ یقینی اور قطعی اور آسان اور عمدہ رستہ حضرت اقدس محمد ﷺ سے تعلق جوڑنا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے شفاعت کا مضمون سامنے آتا ہے کیونکہ اس تعلق کے نتیجہ میں شفاعت نصیب ہوتی ہے۔

عوام الناس میں شفاعت کا ایک ایسا مفہوم پایا جاتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور شفاعت کے مفہوم میں جو بہت ہی لطیف اور باریک در باریک مطالب ہیں ان سے نہ عوام الناس کو کوئی آگاہی ہے نہ اُن علماء کو جو اُن کی تربیت کرتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے عشق میں فنا تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھی فنا تھے آپؑ کو جو عرفان نصیب ہوا ہے وہ دنیا کے علماء کو نصیب ہونا تو درکنار اس کی خاک کو بھی وہ نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ایک خدا رسیدہ عالم کا اور ایک عام دنیا کے عالم کا فرق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو تحریر میں نے آج آپ کے سامنے رکھنے کے لئے چنی ہے اس کو بغور سنیں تو آپ پر یہ مضمون خود بخود کھلتا چلا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

> ’’مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار المہام مسئلہ ہے...‘‘

یعنی بہت ہی اہم مسئلہ ہے جس کو کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

> ’’... یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کی وجہ سے اور نیز دنیا کی انواع اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا محتاج ہے جو اُس کو اِن تمام مکروہات سے

بچاوے کیونکہ انسان اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایک دم کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔...''

یہ جو دلیل ہے یہ نفس کی گواہی سے تعلق رکھنے والی دلیل ہے، انسانی فطرت سے تعلق رکھنے والی دلیل ہے جو از خود ہر انسان کے دل سے پھوٹتی ہے۔ وہ تمام امور جن کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے روزمّرہ کی زندگی کے تجارب کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے یعنی ہوائے نفس کی طرف سے اس کو ٹھوکر لگنا، غفلتوں کے پردوں میں انسان کا زندگی بسر کرنا، نفسانی حملوں کے علاوہ دیگر لغزشیں اور کمزوریاں جو آئے دن اس سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، لاعلمی کی ٹھوکریں، ایک انسان نیک نیت بھی ہو لیکن علم نہ ہو کہ رستہ کون سا ہے تو اس کی وجہ سے بھی وہ نقصان اُٹھاتا ہے، قدم قدم پر تاریکیوں سے معاملہ ہے، کئی قسم کے اندھیرے رستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ صحیح رستہ بھی ہو تو پھر بھی انسان اندھیروں کی وجہ سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ مسلسل خطرات ہیں، وساوس ہیں، کئی وساوس نفس سے پیدا ہوتے ہیں، کئی ساتھی جن میں انسان اٹھتا بیٹھتا ہے ان کی طرف سے وساوس دل میں پیدا کئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب ہیں جن سے انسان کو روزمرہ معاملہ ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں جس پر وہ اپنی ذاتی قوت کے ساتھ غلبہ پا سکے اور یقین سے کہہ سکے کہ مجھے اس طرف سے کوئی خوف نہیں رہا۔ زندگی کی کیفیت تو یہ ہے کہ ایک خوف سے بچتا ہے تو دوسرے میں مبتلا ہو جاتا ہے، دوسرے سے بچتا ہے تو تیسرے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ساری زندگی مختلف قسم کے خوفوں میں ہی مبتلا ہوتی ہے لیکن سب سے بڑا خوف غفلت کا خوف ہے جس کے نتیجہ میں خوف کا احساس مارا جاتا ہے اور یہ ساری چیزیں انسانی زندگی کے لئے، اس کی روحانی زندگی کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے، مسلسل خطرہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ نفس ناطقہ گواہی دیتا ہے، انسان کے اندر موجود ہے وہ اُسے بتاتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا مقام نہیں جہاں تم سہارے کے محتاج نہیں ہو، تمہیں ہر قدم پر سہارا چاہئے۔ اندھیروں کی بات کریں تو روشنی بھی تو سہارا ہے اور غیب سے روشنی نصیب ہونا یہ بھی ایک سہارا ہے، جہالت کی بات کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عالم عطا ہو جانا جو صحیح علم عطا کرے یہ بھی ایک سہارا ہے تو انسان محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ فرماتے ہیں کہ

''...اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرسکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکے...''

پس نفس پر بھروسہ کے ذریعہ انسان اعلیٰ مقاصد اور مطالب کو نہیں پا سکتا۔ فرماتے ہیں۔ ''یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے... ''یعنی انسانی ضمیر کی گواہی ہے جو ہر انسان کو برابر عطا ہوا ہے۔ پھر ایک عقلی دلیل کی طرف منعطف ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں

''... اور ماسوا اس کے اگر غور اور فکر سے کام لیا جائے تو عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے...''

یعنی اگر انسان کانشنس کو چھوڑ کر عقل کے ذریعہ ایک صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرے تو وہ نتیجہ پھر وہی ہوگا جو اُس کے ضمیر نے پہلے سے نکال رکھا ہے اور بعض دفعہ ایک ضمیر لمبی غفلتوں کے نتیجہ میں نیم جان سا ہو چکا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اس کی آواز اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ انسان تک پہنچتی نہیں ہے اور جسے وہ ضمیر کی آواز سمجھ رہا ہے وہ اس کی بگڑی ہوئی حالتوں کی آواز ہوتی ہے۔ پس عقل کی بھی ضرورت ہے جو بیرونی نظر سے دیکھے اور ذاتی جذبات کے الجھاؤ سے بالا ہو کر وہ اطراف پر نظر ڈالے اور ایک نتیجہ اخذ کرے تو فرماتے ہیں کہ

''عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے کہ نجات کیلئے شفیع کی ضرورت ہے۔''

اب جوں جوں ہم آگے بڑھیں گے تو شفاعت کا مضمون اور کھلتا چلا جائے گا۔ فرماتے ہیں

''... کیونکہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے...''

اللہ تعالیٰ ایک پاک ذات ہے جس کی قدوسیت وہم وگمان سے بالا ہے اور وہ اپنے تطہر میں اپنی پاکیزگی میں اتنا بلند اور مصفیٰ اور شفاف ہے کہ کدورتوں سے اس کا کوئی رابطہ کسی صورت دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے برعکس انسان ہر قسم کی ذلتوں میں گرا ہوا، ہر قسم کے گناہوں میں ملوث، ہر قسم کی نفسانی آلودگی میں الجھا ہوا اور ان دنیاوی گندوں سے لت پت ہے۔ فرمایا کیسے وہ تعلق قائم ہو کہ ایک طرف قدوس ذات ہے اور دوسری طرف گناہوں میں مبتلا انسان۔ تو فرماتے ہیں۔

''... اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے فیض پا کر مرتبہ نجات کا حاصل کر لیں...''

عوام الناس کا جہاں تک تعلق ہے ان کے بس کی بات نہیں کہ ان گندی حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض پاسکیں۔

’’... پس اس لئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضا فرمایا کہ نوع انسان اور اس میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں۔...‘‘

یعنی ایسے لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی شفاف فطرت عطا فرمائی ہے وہ بنی نوع انسان کے عوام الناس اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک رابطہ بن جائیں۔

’’اور وہ اس قسم کے انسان ہوں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات **لاھوتی** سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات **ناسوتی** سے...‘‘

**لاھوت** صوفیاء کی اصطلاح میں اس عالم کا نام ہے جس میں صفات الٰہی جلوہ گر ہیں اور خدا کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہی ہے اور وہی ہے اور وہی ہے اور اُس کے سوا کچھ نہیں۔ اس کو **لاھوتی** مقام کہتے ہیں اور **ناسوتی** مقام انسانوں سے تعلق کا مقام ہے جس میں خدا کی ہر قسم کی مخلوق موجود ہے اور مخلوق میں سے اوّل درجہ پر انسان ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

’’... ایسے انسان چاہئیں جن کی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات **ناسوتی** سے۔ تا بباعث **لاھوتی** مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں۔...‘‘

ان میں بعض صفات ایسی ہوں جن میں گندگی کا کوئی ذرہ شائبہ بھی نہ ہو ایسی پاک صفات ہوں کہ گویا انہوں نے خدا کی صفات سے حصہ لے لیا ہے اور کچھ صفات بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے والی صفات ہوں۔ وہ انسانیت اور الوہیت کا سنگم بن جائیں اور اس طرح ان کو ایک طرف سے خدا تعالیٰ سے فیض پہنچے اور دوسری طرف اپنے انسانی تعلق کی وجہ سے اس فیض کو انسانوں میں جاری فرما سکیں۔ فرماتے ہیں۔

’’...تا بباعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث ناسوتی مناسبت کے اس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنی بنی نوع کو

پہنچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کے انسان بوجہ زیادت کمال لاھوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جس قدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جس قدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش ان کو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلیٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اس سے کم...''

یہ وہ مضمون ہے جس کو سمجھنے کے بعد شفاعت کا مضمون پھر اور زیادہ واضح طور پر انسان کے دل اور عقل میں سرایت کر جاتا ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اب دل، ضمیر اور عقل کی ایک مشترکہ گواہی پیش کرتے ہیں۔ کس خوب صورتی سے آپ نے اس مضمون کا ارتقاء فرمایا ہے۔ پہلے ضمیر کی آواز جو سب انسانوں میں قدر مشترک ہے پھر عقل سلیم کی آواز جو تمام انسانوں میں قدر مشترک ہے پھر فرماتے ہیں ''ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس یہ سمجھ سکتا ہے'' وہ شخص جو سلیم العقل ہو اور اس کا ضمیر بھی پاک ہو اور ضمیر مختلف قسم کی آلودگیوں سے گندا نہ ہو چکا ہو۔ اس کے اندر کوئی رخنہ نہ پیدا ہو چکا ہو۔ فرماتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں شفاعت کا مضمون سمجھ آتا ہے۔

''...اور ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں ابتداء سے اس کی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اس کی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں...''

اندر کی جو علامتیں ہیں وہ انسانی نفوس سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ بیرونی شہادتیں آفاق سے تعلق رکھنے والی ہیں اور یہ دونوں شہادتیں ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے کہ ہم تمہارے نفوس

میں بھی شہادتیں عطا کرتے ہیں اگر غور کرو تو تمہیں وہاں سے بھی شہادتیں مل سکتی ہیں اور آفاق میں بھی شہادتیں ہیں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے بیرونی نظر سے بھی دیکھو تو تمہیں ہر جگہ حق کی شہادت مل جائے گی۔ فرماتے ہیں۔

''... اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں...''

یعنی جوڑے کو، دو ہونے کو، دو کے اکٹھا ہونے کو قرآن کریم میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (الفجر:۴) آتا ہے کہ جفت کی دو گواہی ہے اور اکیلے کی کل گواہی ہے تو فرمایا کہ

''... شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں۔ پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو...''

اب شفیع جو شفاعت کا موجب بنتا ہے اور وسیلہ بنتا ہے اس میں کیا صفات ہونی چاہئیں فرماتے ہیں جو مضمون ہم بیان کر چکے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک شفیع میں دو قسم کے تعلق ہونے ضروری ہیں۔

''... یعنی ایک طرف اُس کے نفس کو خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو...''

یعنی اتنا گہرا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو جیسے ایک قلم دوسرے درخت پر لگ جاتی ہے اور اتنا گہرا واسطہ ہو کہ گویا ایک ہی وجود بن گئے ہیں۔

''... اور دوسری طرف اس کو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ ان کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا اثر مترتب ہونے کے لئے درحقیقت یہی دو جز ہیں جن پر ترتب اثر موقوف ہے...''

فرمایا یہ دونوں صفات جس حد تک کسی انسان میں پائی جائیں گی اسی حد تک اس کی شفاعت کا مضمون مترتب ہوگا۔ پس اس پہلو سے مختلف درجے ہیں، مختلف انبیاءؑ ہیں، ہر نبیؑ اپنی قوم

کے لئے خاص حالات میں شفیع بنا اور قیامت کے دن بھی شفیع ہوگا لیکن ان دونوں صفات کے لحاظ سے ان کا معراج ہمیں حضرت اقدس ﷺ کی ذات میں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

’’... یہی راز ہے جو حکمت الٰہیہ نے آدمؑ کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اس کی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ (الحجر: ۳۰) یعنی جب میں آدمؑ کو ٹھیک ٹھیک بنا لوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اے فرشتو! اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ۔ اس مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدمؑ میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اس کی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔ سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جائے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جبکہ ان کا وجود آدمؑ کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لیں گے جو آدمؑ میں پھونکی گئی۔ پس اس لئے آدمؑ طبعی طور پر ان کا شفیع ٹھہرے گا کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدمؑ کی فطرت کو دی گئی ہے...‘‘

نفخ روح سے مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہونا اور تعلق کا مختلف رنگ میں اظہار ہونا۔ اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ آدمؑ کو راستبازی عطا ہوتی ہے کیونکہ جس کا خدا سے تعلق ہو اور جس کو خدا سے تعلق ہو جائے اس کو ضرور راستبازی عطا ہوتی ہے۔ یہ آدمؑ کی فطرت کو دی گئی ہے۔

’’...ضرور ہے کہ اُس کی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے...‘‘

پس انسانی فطرت میں نیکی کی جو سرشت پائی جاتی ہے یہ وہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام وراثت کے مضمون کے طور پر بیان فرما رہے ہیں۔اس کے برعکس جو عیسائی نظریہ ہے وہ گندگی کا وراثت میں جاری ہونا ہے اور گناہ کا وراثت میں جاری ہونا ہے۔دیکھیں پاک سرچشمے سے کیسے پاک خیالات پھوٹتے ہیں اور جو چشمہ گندا ہو چکا ہو جس کا اپنی نبوت سے تعلق منقطع ہو چکا ہو وہ اس پاک پانی کو کیسے گدلہ کر دیتا ہے۔قرآن کریم نے اسی کی گواہی دی ہے کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور ہر بچہ نیکی اور اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔یہ وہ گواہی ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رنگ میں بیان فرما رہے ہیں کہ نیکی موروثی ہے۔بدی موروثی نہیں ہے۔بدی بعد کے اثرات سے پیدا ہوتی ہے لیکن فطرت میں جو چیز داخل فرما دی گئی ہے جس سے انسان کا خمیر اٹھایا گیا ہے وہ نیکی ہی ہے تو فرمایا کہ

> ’’...اس کی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کا بچہ اس کی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے اور دراصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھہر جائے گا ضرور اُس کی صفات میں سے حصہ لے گا۔اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے۔یعنی انسان کا بچہ انسانی قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قویٰ سے حصہ لیتا ہے اور بکری کا بچہ بکری کے قویٰ میں سے حصہ لیتا ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیض یاب ہونا ہے کیونکہ جبکہ شفاعت کی اصل شفع یعنی زوج ہے۔پس تمام مدار شفاعت سے فیض اٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے مستفیض ہونا چاہتا ہے اُس سے فطرتی تعلق اس کو حاصل ہوتا جو کچھ اس کی فطرت کو دیا گیا ہے اُس کی فطرت کو بھی وہی ملے...‘‘

یہ مضمون ارتقائی طور پر اب ایک اور منزل میں داخل ہو گیا ہے۔اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمایا کہ شفاعت کا ایک پہلو ہے جو انسان نے وراثۃً حاصل

کیا یعنی آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے جو اپنی محبت عطا فرمائی اور الہام سے اس کی سرشت کو صیقل فرمایا اور اس کو پاک اور شفاف کیا، یہ وہبت یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے جو یہ عطا تھی یہ آدم ہی تک نہیں رکی بلکہ اس کی نسلوں میں جاری ہوئی اور یہ وراثۃً شفاعت سے حصہ لینا ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ کسی طور پر بھی شفاعت سے حصہ لینا ضروری ہے۔ صرف وراثت تک اس مضمون کو چھوڑ دینا کافی نہیں۔ چنانچہ اس کا مطلب یہ بنے گا کہ وہ اہل اللہ، وہ پاک لوگ جن کو خدا اعلیٰ مراتب عطا فرماتا ہے اور اعلیٰ کمالات بخشتا ہے اُن سے تعلق خود بخود جوڑ کر انسان کے لئے لازم ہے کہ ان کا روحانی وارث بنے اور محض اس خوابیدہ سی وراثت پر اکتفانہ کرے جو خون سے نسلاً بعد نسلٍ اس کے اندر منتقل ہوتی چلی آرہی ہے کیونکہ وہ وراثت دب جاتی ہے، دیگر عوامل اور دیگر ایسے بہت سے اسباب ہیں جن کے نیچے دب کر وہ مغلوب ہو جاتی ہے۔ پس دیکھیں کہ ہر انسان جو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور ہر بچہ جو سلیم فطرت اور نیکیاں لے کر آتا ہے ان کی کتنی بھاری اکثریت ہے جو خوفناک بدیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ان کے مزاج بگڑ جاتے ہیں، ان کے دل کی کیفیتیں گندی ہو جاتی ہیں، وہ پانی جو آسمان سے صاف اور شفاف نازل ہوا تھا وہ ایسا زہریلا ہو جاتا ہے کہ ان کے اردگرد ان کے ماحول میں بھی ان کی پھونکوں سے لوگ مرتے ہیں۔ تو یہ جو غیر معمولی طور پر انقلابی کیفیت جو کایا پلٹنے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ بتاتی ہے کہ محض موروثی نیکی کافی نہیں اگر اس کے ساتھ وہبی نیکی شامل نہ ہو اور وراثت کا مضمون اس کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ اُن لوگوں سے تعلق قائم کرو جن پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی ہو جن کی روح کو خدا تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے چمکایا ہو اور ان سے روحانی ورثہ حاصل کرو۔ یہ مضمون جب حضرت اقدس محمد ﷺ کے تعلق میں سوچا اور سمجھا جائے تو شفاعت کا اصل اور اعلیٰ مفہوم انسان پر روشن ہو جاتا ہے۔

**شفاعت کا معنی یہ نہیں ہے کہ محض مرنے کے بعد گنہگاروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرمادیں کہ اے خدا ان کو معاف کردے اور چھٹی کر۔ ان کی بخشش کے انتظام اس دنیا میں کرتے رہے اور کر گئے ہیں اور وراثۃً وہ فیض پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ فرمایا اس فیض سے حصہ پاؤ وہ دولت جو بے حساب ہے اس کا کوئی شمار ممکن نہیں وہ حضرت اقدس محمد ﷺ کے فیضان کی دولت ہے جو ایک بہتا ہوا ابدی طور پر بہنے والا اور نہ ختم ہونے والا دریا ہے۔**

اُس سے تعلق جوڑو گے تو تمہاری ہر قسم کی پیاس بجھے گی، تمہاری ہر قسم کی گندگی دور ہوگی اور اس سے شفع پیدا کرو، اس کے ساتھ پیوستہ ہو جاؤ، اس کے ساتھ جڑ جاؤ اور پھر تمہیں صحیح معنوں میں محمد مصطفی ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ یہ نصیب ہو جائے تو پھر قیامت کی شفاعت اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں حضرت اقدس محمد ﷺ سے بڑے خلوص کے ساتھ، دل کی گہرائی سے تعلق تھا، ایک خلوص کا دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ سارا وجود اس خلوص میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا حضرت محمد ﷺ سے تعلق قائم کیا، اس نیت سے تعلق قائم کیا کہ آپؐ کے وسیلے سے خدا سے تعلق قائم ہوگا اور وہ الٰہی صفات جو سب سے زیادہ حضرت محمد ﷺ میں جلوہ گر ہوئیں اور کبھی اس سے پہلے کبھی کسی اور نبی میں جلوہ گر نہیں ہوئیں اور کبھی آپؐ کے بعد کسی آدم کی اولاد میں ان کے اس شان سے جلوہ گر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان معنوں میں وہ نبی بھی یکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی توحید کا ایک مظہر کامل بن جاتا ہے۔ اس سے تعلق جوڑو اور اُس کی صفات سے حصہ پاؤ۔ اپنے وجود کو جتنا مٹاتے چلے جاؤ گے اور حضرت محمد ﷺ کے وجود میں ضم ہوتے چلے جاؤ گے۔ ان معنوں میں ایک اور مقام وحدانیت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا کہ آپ نے اپنے وجود کو مٹا کر آنحضرتؐ کے وجود میں اپنے آپ کو کلیۃً غائب کر دیا اور سراسر اس پاک وجود میں کھوئے گئے۔ پس جس طرح محمد ﷺ نے اللہ کے وجود میں کھو کر وحدانیت کا ایک نمونہ دکھایا آئندہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اس وحدانیت تک پہنچنے کا یہ وسیلہ ہے۔ کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر براہ راست اس وحدانیت کے اعلیٰ مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ محمدؐ کے ساتھ مل کر یکتا ہو جائے تب وہ یکتا کو پا سکے گا اس کے سوا یکتا تک پہنچنے کا اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ یہ مضمون ہے جسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رفتہ رفتہ مختلف منازل میں سمجھا سمجھا کر بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ’’... وہ تو ایک ورثہ تھا جو تمہیں از خود مل گیا۔ یہ وہبت ہے لیکن اس کے بعد کسب کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ تعلق جیسا کہ وہبی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی ایک جز ہے ایسا ہی کسبی طور پر بھی یہ تعلق زیادت پذیر ہے یعنی جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی ہمدردی بنی نوع کی اس میں موجود ہے اس میں زیادت ہو تو بقدر

دائرہ فطرت اور مناسبت کے زیادت بھی ہو جاتی ہے...''

پس جو ورثہ ملا ہے وہ اسی حد تک رکھے جانے کے لائق نہیں بلکہ اس کو بڑھانا ضروری ہے اور اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے فیض کے سمندر سے اس ورثے کا تعلق قائم کر دیا جائے تو وہ ورثہ اتنا بڑھ سکتا ہے کہ ایک عام انسان کی نظر میں گویا، لا پیدا کنار ہو جائے۔ اس کی مثال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں دیتے ہیں کہ ہر انسان میں محبت کا مادہ ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ انسان دراصل ''اُنسان'' تھا اُنس کا مطلب ہے تعلق۔ ایک اُنس کو عربی میں اُنس کہتے ہیں دو اُنس ہوں تو اُن کو انسان کہا جاتا ہے تو فرمایا دراصل انسان دو اُنسوں سے بنا ہے ایک اللہ کا انس جو اس کی فطرت میں ودیعت ہوا اور ایک بنی نوع انسان کا اُنس یعنی ہم جولیوں اور ساتھیوں اور اپنے ہم نوع لوگوں کا اُنس جو اُسے وراثۃً ملا...''

فرماتے ہیں۔

''... یہ اُنس تو ہر ایک میں پایا جاتا ہے مگر یہ اُنس عشق کی حالت میں کبھی کبھی تموج اختیار کرتا ہے اور اُس کے لئے انسان کو خاص محنت کرنی پڑتی ہے، ایک خاص قسم کی محبت کمانی پڑتی ہے۔''

فرماتے ہیں۔

''...اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک شخص سے اس قدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اس کے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا۔ آخر اس کی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے...''

یہ وہی بات ہے کہ عشق اول در دل معشوق پیدا می شود۔ جس کے دل میں پہلے محبت پیدا ہوتی ہے اُسے ان معنوں میں معشوق کہا گیا ہے کہ وہ عاشق بنانے والی محبت ہوتی ہے۔

**''...اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اس کی بھلائی کو بھی چاہتا ہے...''**

پس ایسی محبت جو بظاہر حد سے بہت بڑھی ہوئی دکھائی دے لیکن محبت کرنے والا انسان کو گناہوں میں مبتلا کر دے اور محض اپنے نفس کی خواہش کے نتیجہ میں اس کا دین بھی برباد کر دے اور اس کی دنیا بھی تباہ کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ اور قابل اعتماد کسوٹی کے

مطابق وہ چھوٹی محبت ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب محبت بہت بڑھ جاتی ہے تو پھر جس شخص سے محبت کی جاتی ہے اس کی بھلائی کے سوا انسان کچھ چاہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی معنوں میں بھی اس کی بدی کا تصور کر سکے۔ اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا لیکن یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے محبوب کو کوئی ضرر پہنچے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

''... یہ امر بچوں کی نسبت ان کی ماؤں کی طرف سے مشہود اور محسوس ہے...''

یعنی بچے جانتے ہیں کہ کس طرح مائیں اُن سے محبت کرتی ہیں اور کس طرح ہر آن ہر لمحہ ان کی بھلائی چاہتی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

''... پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بجز ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا...''

شفیع وہ ہے جس نے دونوں سے حصہ لیا ہو۔ اُس میں تمام انبیاء شریک ہیں اور انبیاء سے نیچے اُتر کر صُلحا اور خدا کے وہ سب پاک، راستباز بندے جو خدا کی صفات سے کچھ حصہ لیتے اور بنی نوع انسان کی محبت سے بھی حصہ لیتے ہیں اور ایک فیض کو دوسرے کی طرف جاری کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ''کوئی شخص بجز ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا'' یعنی فیض تو سب کو ملے لیکن انسان کامل ایک ہی ہے یعنی حضرت محمد ﷺ۔ آپؐ نے فرمایا۔

''... اسی لئے آدم کے بعد یہی سنت اللہ ایسے طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کے لئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے...''

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عام معنوں میں ''کامل'' استعمال فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارے کے معنوں میں نہیں بلکہ ان معنوں میں کہ ہر نبی اپنی استعدادوں کے مطابق اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس کا درجہ کمال یہی ہے کہ اس میں یہ دونوں صفات برابر ترقی کریں، خدا کی محبت بھی اور بنی نوع انسان کی محبت بھی اور جتنی اس کو توفیق ہے اس کے انتہا تک پہنچ جائے تب وہ شخص درجہ کمال تک پہنچا ہوا کہلائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ سے اس پر نعمت کا اتمام ہوگا اور

وہ مامور فرمایا جائے گا۔ فرمایا:

’’...یعنی ایک یہ تعلق کہ اُن میں آسمانی روح پھونکی گئی اور خدا نے ایسا اُن سے اتصال کیا کہ گویا اُن میں اُتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیّت کا وہ جوڑ جو حوا اور آدم میں باہمی محبت اور ہمدردی کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا ان میں سب سے زیادہ چمکایا گیا...‘‘

یہ اُنس جو انسانوں میں داخل فرمایا گیا ہے اس کا منبع اور سرچشمہ خاوند اور بیوی کا تعلق ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آدم اور حوا کے حوالے سے ہمیں سمجھا رہے ہیں۔ فرمایا یہ سب سے زیادہ ان میں چمکایا گیا۔

’’...اسی تحریک سے ان کو بیویوں کی طرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اس بات کی ہے کہ ان میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ **خیر کم خیر کم لاھلہ** (ترمذی کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۸۳۰) یعنی تم میں سے سب سے زیادہ بنی نوع کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہوسکتا ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی محبت کا مصداق اس کی بیوی کو ہی بنایا ہے..‘‘

اور سارے محبت کے تعلق اسی سے پھوٹتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے جا کر اس مضمون کی مختلف شاخیں بناتے اور دکھاتے ہیں کہ دیکھو اس رشتے سے پھر آگے تعلق کے کتنے رشتے پھوٹتے ہیں۔

’’...پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اس کی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونے کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے...‘‘

یہاں اصل میں حضرت مسیحؑ پر حضرت اقدس محمد ﷺ کی فضیلت کے بیان کا مضمون ہے۔ اب وہ لوگ جو عیسائی دنیا میں رہتے ہیں ان کے سامنے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ دیکھو مسیحؑ نے

جو شادی نہیں کی تو وہ معصوم تھا۔ شادی کرنے والے کیسے معصوم ہوئے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ

''...شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اُس میں مفقود ہے اس لئے اگر عصمت اُس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے کے لائق نہیں...''

یاد رکھیں کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ شفاعت کے لائق نہیں تھے۔ بعض ٹیڑھی سوچوں والے، ٹیڑھے دماغ والے ایسی عبارتوں سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریق یہ ہے کہ بعض دفعہ نام لے کر بعض دفعہ نام لئے بغیر عیسائیوں کے ان جھوٹے اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں جو اُن صفات پر مبنی تھے جو اُن کے فرضی مسیح میں پائی تھیں اور جو اُن کے نزدیک رسول اللہ ﷺ میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ جب بھی عیسائیوں کی طرف سے ایسی گستاخی کی گئی تو اُن کے اپنے معتقدات کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملزم ثابت فرمایا۔ یہ مضمون ہے لیکن ہرگز یہ مراد نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک حضرت مسیحؑ اپنی قوم کے لئے شفیع نہیں تھے کیونکہ دوسری عبارتوں میں جہاں حقیقی مسیحؑ کی بات ہوتی ہے، وہ مسیح جو عیسائیوں کے تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ خدا کی مخلوق تھا اور خدا نے اُسے خود صیقل فرمایا تھا، خدا نے اس میں روح پھونکی تھی اُس مسیحؑ کا جب ذکر آتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل محبت سے اچھلنے لگتا ہے اور بے اختیار اُس مسیحؑ کی پاکیزگی بیان فرماتے ہیں۔ پس یہاں جو مضمون ہے وہ ایک منطقی مضمون ہے جو عیسائیوں کے بیہودہ لغو اعتراضات کو مدنظر رکھ کر بیان فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک معصومیت یہی ہے کہ انسان شادی ہی نہ کرے تو یہ معصومیت تو دیوانوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، یہ معصومیت تو ایسے لوگوں کو جو شادی کے لائق نہیں ان کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، بچوں کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ معصومیت تو ہے لیکن شفاعت نہیں۔ اس معصومیت کے ساتھ انسان شفاعت کا اہل نہیں قرار پاتا فرماتے ہیں۔

''...اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اُس میں مفقود ہے۔ اس لئے اگر عصمت اُس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے

کے لائق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے۔ وہ اپنے لئے بنی نوع کی ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں...''

دونوں طرف کے تعلقات سے انسان آزمایا جاتا ہے اور دونوں طرف کے تعلقات کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ دیکھیں میاں اور بیوی کے تعلقات کتنی بڑی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔

''...اور اس طرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشو ونما پاتے ہیں اُن کو اس عادت کے وسیع کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اس لئے ان کے دل سخت اور خشک رہ جاتے ہیں...'' پھر فرمایا۔

''...شخص شفیع کے لئے جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے ضروری ہے کہ خدا سے اس کو ایک ایسا گہرا تعلق ہو کہ گویا خدا اس کے دل میں اُترا ہوا ہو اور اس کی تمام انسانیت مر کر بال بال میں لاھوتی تجلی پیدا ہو گئی ہو اور اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کی طرف بہہ نکلی ہو اور اس طرح پر الٰہی قرب کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی ہو۔ اور اسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے اس کی ہمدردی میں اس کا دل اڑا جاتا ہو۔ ایسا کہ گویا عنقریب اس پر غشی طاری ہوگی اور گویا شدت قلق سے اس کے اعضا اُس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اس کے حواس منتشر ہیں اور اس کی ہمدردی نے اُس کو اس مقام تک پہنچایا ہو کہ جو باپ سے بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور ہر ایک غم خوار سے بڑھ کر ہے...''

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی اس آیت کا حقیقی مفہوم انسان پر روشن ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴)

کہ اے محمدؐ! تو بنی نوع انسان کے لئے اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا کہ یہ ایمان نہیں لا رہے۔ کتنی بڑی ہمدردی ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ذات میں ایسی چمکی تھی اور اس شان سے جلوہ گر ہوئی تھی کہ کبھی دنیا کے کسی دل میں یہ ہمدردی اس شان کے ساتھ نہ چمکی نہ جلوہ گر ہوئی نہ ایسی وسعت پذیر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو کل عالم کا نبی بنایا گیا اور کل عالم کا شفیع مقرر فرمایا گیا۔

اگر آپؐ کی ہمدردی مشرق کے لئے خاص ہوتی تو خدا گواہ ہے کہ کبھی آپؐ کو مغرب کا رسول نہ بنایا جاتا اور اگر آپؐ کی ہمدردی مغرب کے لئے خاص ہوتی تو خدا کی قسم ہے وہ کبھی مشرق کا رسول نہ بنایا جاتا۔ پس آپؐ کو مشرق اور مغرب کا رسول بنانا اور کل عالم کے لئے شفیع بنا دینا آپؐ کے قلب مطہر اور اس کی لامتناہی صفات وہبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تبھی آپؐ کو رحمت للعالمین کا لقب عطا فرمایا گیا۔ تو وہ کیفیت کہ تو اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا یہ وہی ہے کہ اس پر غشی طاری ہو رہی ہے، اس کا دل ٹوٹ رہا ہے، اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ اتنی گہری ہمدردی بنی نوع انسان سے اس کو ہو جاتی ہے اور اس کی ہمدردی نے اس کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے جو باپ سے بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور ہر ایک غم خوار سے بڑھ کر ہے۔

> ’’...پس جبکہ یہ دونوں حالتیں اس میں پیدا ہو جائیں گی تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے مقام سے جفت ہے اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت تب دونوں پلہ میزان کے اس میں مساوی ہوں گے یعنی وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا اور مظہر ناسوت کامل بھی اور بطور برزخ دونوں حالتوں میں واقع ہوگا۔ اس طرح پر اسی مقام شفاعت کی طرف قرآن شریف میں اشارہ فرما کر۔ آنحضرت ﷺ کے شفیع ہونے کی شان میں فرمایا ہے
> دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى...‘‘

یہ وہی مضمون ہے جو میں پہلے بیان کرتا آیا ہوں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مضمون کے وہ لطیف اور باریک پہلو جو ایک صاحب تجربہ عارف باللہ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہو سکتے وہ میں اب آپ کے ساتھ Share کر رہا ہوں یعنی جس طرح میں نے ان سے لطف اٹھایا

آپ کو بھی اس لطف میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ وہ مقام ہے جس کا دعوت الی اللہ سے تعلق ہے۔ جس کو جتنا نصیب ہوا تنا ہی وہ دعوت الی اللہ کرنے کا اہل ہوتا چلا جائے گا اور اس کی دعوت الی اللہ میں اتنی ہی غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

دعوت الی اللہ کا مطلب ہے دو قوسوں کا ملانا۔ بنی نوع انسان کو خدا سے متصل کرنا اور دَنَا فَتَدَلّٰی کا یہی مضمون ہے جس شخص نے خدا کے وصل کا کوئی حصہ نہ پایا ہو وہ کسی دوسرے کو منطقی طور پر خواہ چیخ چیخ کر بلائے اور دلائل سے کیسا ہی اس پر غالب کیوں نہ آجائے اس کو اللہ سے نہیں ملا سکتا۔ اللہ سے ملانے کے لئے اس کے وجود کا کچھ نہ کچھ حصہ لازم ہے خدا سے خود ملا ہو اور اگر سارا نہیں تو کچھ نہ کچھ تو وہ اس کو خدا سے ملا سکے۔ جو میں نے چنا ہے اس کا آخری حصہ یہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ’’...اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اس کی محبت میں اعلیٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے درحقیقت تمام چیزوں پر خدا کو اختیار کر لیا تھا اور آپ کے ذرّہ ذرّہ اور رگ اور ریشہ میں خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسے رچی ہوئی تھی کہ گویا آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کی طرح تھا۔ خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت ﷺ میں موجود تھے۔‘‘ (عصمت انبیاءؑ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۶۵۹۔۶۶۶)

فرمایا اللہ کا تعلق تو دنیا کو دیکھنے میں دکھائی نہیں دیتا سوائے اس کے کہ خدا کی صفات بندے میں جاری ہوں۔ پس محمد ﷺ میں صفات الٰہی جلوہ گر ہوئیں تب ہم نے دیکھا کہ آپؐ کا خدا سے تعلق تھا۔ پس ہر وہ احمدی جو کسی دوسرے کو خدا کی طرف بلاتا ہے کچھ تو صفات پیش کر سکے، کچھ تو اپنی ذات میں دکھا سکے کہ دیکھو جب خدا سے تعلق ہوتا ہے تو یہ انسان بن جایا کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت رسول اللہ ﷺ کے عشق میں ڈوب کر اپنے ان دو اشعار میں جو میں آپ

کے سامنے رکھتا ہوں، بتاتے ہیں کہ آپؑ نے کیسے خدا کو پایا اور کیوں آپؑ اس مقام پر فائز ہوئے کہ ہمیں بلا سکیں اور کیوں آپؑ ہی اس بات کے مستحق تھے جو اندر سے آیا ہو وہی اندر کی راہ دکھا سکتا ہے۔ جو محرم راز ہو وہی بتا سکتا ہے کہ محبوب کا قرب حاصل کرنے کے کیا راز ہیں۔ کس طرح انسان اپنے محبوب کو پاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

آنکھ اس کی دوربیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

نظر قیامت کے آخری کناروں تک پہنچی ہوئی ہے، تمام بنی نوع انسان تک پہنچی ہوئی ہے لیکن دل یار سے قریں ہے، ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیاء یہی ہے۔ یہ وہ کامل وجود ہے جو ہاتھوں میں شمع دیں لئے ہوئے تمام دنیا کو اس نور کی طرف بلا رہا ہے۔

پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے
دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے (درثمین صفحہ: ۸۳)

سب پردے اٹھا دیئے، اندر کی راہ دکھا دی۔ یار سے دل ملانے والا یہی آشنا ہے یعنی پہلے خود آشنا ہو پھر یار کی طرف بلائے تو وہ اس لائق ہوگا کہ یار سے ملائے۔ اس کے بغیر تو یار سے نہیں ملایا جا سکتا۔ جو آشنا ہی نہیں ہے اس نے کہاں کسی کو یار سے ملانا ہے۔ پس آشنا بنو تو تم کامیاب داعی الی اللہ بن جاؤ گے۔ اگر آشنا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ محض دنیا کی ایک کوشش اور محنت اور دکھاوا ہے اس کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔